ڈاکٹر اسلم انصاری

برِصغیر میں مسلم حکومت اور معاشرے کا تشکیلی دور

Muslim Arab rulers invaded Subontinent in 714AD,after that many Muslim densities ruled over subcntinent including Ghaznis , Saljoks,Turks,Mughal, All these ruling elite influnced the social values,norms and traditions of natives, This era may be called the developing era of subcontinent society . In this article,this era is discussed academically.

اگرچہ عرب اور ہند کے تجارتی تعلقات برصغیر میں مسلمانوں کی آمد سے قدیم تر ہیں۔[1] لیکن برِصغیر کی سیاسی ، معاشرتی اور علمی وادبی زندگی پر ان کے ہمہ گیر اثرات کا آغاز ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ و ملتان سے ہوُا ، جن کے عمل وتعامل کے نتیجے میں برِصغیر آنے والی کئی صدیوں کے لئے اسلامی تہذیب و ثقافت کی گہوارہ بن گیا۔طلوعِ اسلام کے ساتھ مسلمان ملاحوں ، اور تاجروں کے ہاتھوں عرب وہند کے ان تعلقات میں اور بھی اضافہ ہوُا۔خلافتِ راشدہ کے اختتام اور امویوں کے دور کے آغاز تک عربوں نے ہندوستان پر کوئی با قاعدہ فوجی حملہ نہیں کیا، اگرچہ مکران اور سندھ کی سرحد کے بہت سے علاقے عملاً مسلمانوں کے زیر نگیں آچکے تھے۔پہلی صدی ہجری کے اختتام اور آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں سندھ میں راجہ داہر کی حکومت تھی ، جس نے بعض باغی عرب سرداروں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی تھی (یہ باغی عرب سردار کون تھے اور کس کے باغی تھے ، کوئی مستند تاریخ اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتی) ، اسی زمانے میں لنکا کے راجہ نے مسلمانوں کے خلیفہ ولید بن عبدالملک (۷۰۶ء تا۷۱۴ء) کے لئے تحائف روانہ کئے ۔ان تحائف سے لدے ہوئے جہاز جن پر لنکا میں مقیم عرب تاجروں میں سے کچھ افراد اور ان کے بیوی بچے بھی سوار تھے ، بھٹک کر دیبل کے قریب پہنچے تو ساحلی قزاقوں نے ان کو لوٹ لیا ، اور مردوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا ، ان عورتوں میں قبیلۂ بنی یربوع (بنوتمیم کی ایک شاخ) کی ایک عورت نے حجاج بن یوسف کے نام کی دہائی دی (**اغثنی ، اغثنی ، یا حجاج!**) حجاج کو جب یہ خبر ملی تو اس نے انتقامی کاروائی کرنے کا فیصلہ کیا ، ابتداء راجہ داہر کو خط لکھا گیا ، جس کا جواب راجہ داہر نے نہایت بے پروائی سے یہ دیا کہ ''یہ کام بحری قزاقوں کا ہے جو میری اطاعت سے باہر ہیں ، میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکتا۔''[2] اس پر یکے بعد دیگرے دو فوجی دستے بھیجے گئے ، جن کے سردار داہر کے لشکریوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے ، بالآخر محمد بن قاسم چھ ہزار سواروں کے ساتھ ۷۱۱ء کے موسمِ خزاں میں دیبل پہنچا ، اور محاصرہ کرکے شہر کو فتح کرلیا ، اس کے بعد نوجوان مسلم سالار نے نیرون اور سہوان کو بھی فتح کرلیلا ، پھر بہمن آباد اور ارور کے مقام پر راجہ داہر اور اس کے بیٹے جے سنگھ کو شکست دے کر سندھ پر مکمل طور پر تسلط حاصل کرلیا۔یہ فتح مسلمانوں کو ۱۰ رمضان المبارک ۹۳ھ (۷۱۲ء) کو حاصل ہوئی[3] محمد بن قاسم نے مفتوحین کے ساتھ حسنِ سلوک سے کام لیا اور مفتوحہ علاقوں کے نظم ونسق کو بہتر بنانے پر خاص طور پر توجہ دی۔اروڑ (الور) کی فتح کے بعد اس نے قلعۂ باتیہ اور قلعۂ اسکلندہ کو فتح کیا۔۷۱۳ء میں وہ ملتان کی طرف متوجہ ہوُا جہاں کا حاکم راجہ داہر کے بھائی چندر (سین) کا لڑکا کورسین (یا کورسنگھ) تھا۔ملتان سے پہلے محمد بن قاسم نے قلعہ سُکہ پر حملہ کیا جو اس زمانے میں ملتان سے متصل ایک شہر تھا جو ملتان کے مشرق میں دریائے راوی کے کنارے آباد تھا[4] قلعہ سُکہ محاصرے کے بعد فتح ہوُا، اس محاصرے میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے ،کہا جاتا

ہے کہ اپنے بعض بہترین ساتھیوں کی شہادت کے غم وغصہ میں اس نے اس شہر کو برباد کر دیا(اس شہر کا کوئی تذکرہ بعد ازاں کسی تاریخ میں نہیں ملتا) ملتان کی فتح سے محمد بن قاسم کو سونے بہت بڑی مقدار ہاتھ لگی ، یہ سونا ملتان کے مشہور افسانوی سورج مندر میں سورج دیوتا کی بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ملتان کے قریب ایک شہر برہمن پور کو بھی فتح کرنے کے بعد نوجوان عرب جرنیل قنوج کی طرف پیش قدمی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ مرکزِ خلافت میں حالات تیزی سے تبدیل ہوئے۔۷۱۳ء میں محمد بن قاسم کے خسر، چچا اور سرپرست حجاج بن یوسف کی وفات ہو گئی ،کچھ ہی عرصے کے بعد ولید بن عبد الملک بھی فوت ہو گیا ، اس کی جگہ سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنا ، جو حجاج بن یوسف کا سخت مخالف تھا ، اس نے حجاج کے تمام عزیزوں اور متعلقین کو ایک ایک کر کے انتقام کا نشانہ بنانا شروع کیا۔

محمد بن قاسم کو سندھ ہی میں گرفتار کر کے واپس بلا بھیجا گیا ، اور اس غیر معمولی انسان کو جس نے برِصغیر کی تاریخ پر دوررس اور ان مٹ نقوش مرتب کئے ، عین عالمِ شباب میں واسط کے قید خانے میں اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا گیا (محمد بن قاسم شاعر بھی تھا ، اس نے واسط کے قید خانے میں بہت دردناک اشعار بھی کہے)۔محمد بن قاسم کا قیامِ سندھ چار سال پر محیط رہا ، اس عرصے میں اس نے ایک وسیع علاقے کو فتح کر کے اس کے نظم ونسق کو بہتر کیا ، اور اسلامی اخوت ومساوات اور عدل و انصاف کے عملی مظاہروں کے ذریعے سندھ و ملتان کے لوگوں کے دلوں میں اسلام کے دلچسپی اور ہمدردی پیدا کی ،چنانچہ کئی قبیلوں نے از خود محمد بن قاسم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ۔کہا جاتا ہے کہ اس کے سندھ سے جانے پر کئی شہروں میں اس کے جانے اور بعد ازاں اس کی وفات کی خبر پر سوگ منایا گیا،بعض مقامات پر ہندوؤں نے اس کے بت بنا کر اپنے شہروں میں نصب کئے ۔[۵]

حقیقت یہ ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ اور ملتان کی فتح اس عہد کا سب سے اہم واقعہ تھا، جس نے فی الحقیقت برِصغیر کی تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا۔سندھ اور ملتان آنے والی کئی صدیوں کے لئے اسلامی حکومتوں کے مرکز بن گئے (بیسویں صدی کے اواسط میں انگریزوں سے حصولِ آزادی کے بعد اسلامی مملکت پاکستان کا دارالحکومت سندھ ہی کے شہر کراچی کو بنایا گیا)اور اس تہذیب وثقافت کے ابتدائی نقوش ابھرنے لگے جسے آگے چل کر تاریخ نگاروں کی اصطلاح میں ہنداسلامی تہذیب کا نام دیا جانا تھا۔اور اس لسانی تغیر کی بنیاد پڑی جس نے برِصغیر میں نئی لسانی تشکیلات کے ایک وسیع سلسلے کو جنم دیا۔

محمد بن قاسم کے بعد سندھ اور ملتان پر امویوں اور عباسیوں کے ۲۴ گورنر مقرر ہوئے ،عباسی گورنروں میں ہشام ،جو سب سے زیادہ کامیاب قرار دیا جاتا ہے ، ۷۵۷ء میں سندھ آیا ، اور جہازوں کے ایک بیڑے کے ساتھ کاٹھیا واڑ کے ساحل پر کندہار نامی ایک شہر پر حملہ آور ہوا ، اور فتح یاب ہونے پر یہاں ایک مسجد تعمیر کروائی جو گجرات (کاٹھیاواڑ) میں سب سے پہلی مسجد تھی ، اس کے بعد اس نے شمال کا رخ کیا اور کشمیر کے بعض سرحدی مقامات بھی فتح کر لئے ۔بقول اشتیاق حسین قریشی ۔’’جنوبی ہند میں یہ زمانہ مذہبی مباحثوں کا تھا ، برہمنیت نے بودھ مت اور جین مت کے خلاف جنگ جاری کر رکھی تھی۔ ان دونوں مذہبوں کو شمال میں زک دی جا چکی تھی ، اور اب جنوب میں وہ اپنا بچاؤ کر رہے تھے ۔‘‘[۶]

فتحِ سندھ کے بعد کم وبیش ستر سال تک عرب فاتحین سندھ اور ملتان میں مقتدر رہے ،لیکن بعد میں یمنی اور حجازی کے قبائلی اختلافات نے انہیں اتنا کمزور کر دیا کہ مقامی اقوام جگہ جگہ علمِ بغاوت بلند کرنے لگیں ،شمالی سندھ میں جاٹوں نے اور جنوب میں میڈ قوم (Med) نے بغاوت کی اور خود مختار ہو گئے ، آہستہ آہستہ مرکزِ خلافت سے ان علاقوں کا تعلق کمزور ہوتا گیا۔۸۵۴ء میں سندھ میں ھباریوں کی موروثی حکومت کا آغاز ہوا ۔۹۰۲ء ملتان میں بنو سامہ کی خودمختار حکومت قائم ہوئی، اور عرب حکومت ، ملتان اور منصورہ کی خودمختار حکومتوں میں منقسم ہو گئیں ، ۔یہ زمانہ اسماعیلی عقائد کے فروغ کا تھا ،اسماعیلی مصر اور شام پر قابض ہو چکے تھے ،

اور قاہرہ میں فاطمی خلفا کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔۸۸۳ء(۲۷۰ھ) میں پہلا اسماعیلی داعی سندھ میں آیا اور مصروفِ تبلیغ ہوا۔ ۹۷۷ء میں جلم بن شیبان نے ملتان پر حملہ کر کے یہاں اسماعیلی حکومت قائم کر لی، اور فاطمی خلفا کا سکہ اور خطبہ جاری کیا۔ چنانچہ ملتان اسماعیلی عقائد کے فروغ و اشاعت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔۱۰۱۰ء میں ملتان میں ایک قرامطی ابوالفتح داؤد حاکم تھا، جس نے سلطان محمود غزنوی کے خلاف لاہور کے راجہ جے پال کی مدد کی، سلطان نے ملتان پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا، قرامطی یہاں سے بھاگ کر منصورہ مین پناہ گزیں ہوئے، لیکن اٹھارہ سال بعد سومنات سے واپسی پر سلطان نے منصورہ کو بھی فتح کر لیا۔

اس سارے عرصے میں سندھ، ملتان، مکران اور جنوبی ہند مختلف اوقات میں عربوں کی چار حکومتیں قائم ہوئیں، یعنی جنوبی ہند میں دولتِ ماہانیہ، ۔۱۹۰ھ کے آس پاس سندان (سندھ) میں دولتِ ھباریہ، منصورہ (در حدودِ ۲۴۷ھ) اور ملتان میں دولتِ سامیہ (در حدودِ ۲۷۹ھ) اور مکران میں دولتِ معدانیہ (درحدودِ ۳۴۰ھ) !ان سب علاقوں میں اسلامی تہذیب و تمدن کی کئی وحدتیں وجود میں آئیں، اور ثقافتی اثر و نفوز کا آغاز ہوا۔مختلف مقامات پر مسلمانوں کے علمی اور ثقافتی مراکز وجود میں آئے۔متذکرہ بالا تمام حکومتوں کے زیرِ اثر ان علاقوں میں محدثین اور علماء کی جماعتیں وجود میں آئیں، بعض سندھی محدثین کو پورے عالمِ اسلامی میں شہرت حاصل ہوئی، علمِ حدیث کے فروغ کے سلسلے میں منصورہ کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہوئی، اسی طرح دیبل نے بھی بے شمار علماء و محدثین پیدا کئے۔بوقان اور الور کے شہر بھی کئی اعتبار سے منصورہ کے ہم پلہ تھے۔تاریخ میں ان تمام علاقوں کے علماء اور محدثین کے نام محفوظ ہوئے۔تاہم ملتان کی دولتِ سامیہ کے عہد کے علماء کے نام کہیں نہیں ملتے [۷]

اس عہد میں ہندوستان کی کئی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ ۷۷۱ء میں علمِ ہیئت کی کتاب ''سدھانت'' ترجمہ ہو کر مرکزِ خلافت بغداد میں لائی گئی۔عرب علماء نے اس کی شرحیں اور خلاصے لکھے، بلکہ اس کی غلطیوں کی تصحیح بھی کی۔کہا جاتا ہے کہ علمِ حساب میں بھی عرب ہندوؤں سے مستفید ہوئے۔ہندوستان کی طب نے بھی عربوں میں کافی فروغ پایا۔سشرت اور چرک کی کتابیں بالخصوص عربی میں منتقل کی گئیں۔داستانی ادب میں ''کلیلہ و دمنہ'' اور سرّی ادب میں ''بوذاسف وبلوہر'' بھی عربی میں ترجمہ ہوئیں۔''مہابھارت'' کی عربی میں تلخیص کی گئی۔غرض علمی اور ثقافتی تبادلے کی کئی صورتیں وجود میں آئیں، جنہوں نے برِصغیر کی تمدنی، سیاسی اور علمی وادبی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا،اس سلسلے میں اسلام اور مسلمانوں کے اثرات بہت گہرے اور دوررس ثابت ہوئے، جنوبی ہند میں ہندو فلسفۂ حیات کے مختلف دبستانوں کو جو فروغ حاصل ہوا، اس کو اسلامی فکر وعقائد کے اثرات کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔[۸] اسی زمانے میں لنکا، جزائرِ مالدیپ، سواحلِ گجرات، مالابار، معبر اور جزائرِ شرق الہند میں اسلام کی اشاعت ہوئی، اور برِصغیر کی ہند اسلامی تہذیب کا اولیں نقش ابھر کر سامنے آیا جس کا غالب رنگ ''عربیت''، یعنی عربی زبان وادب اور تہذیب و ثقافت سے عبارت تھا، جس میں قدرتی طور پر مقامی رنگوں کی آمیزش بھی تھی، یہی وہ ترکیب عمل تھا جس کی بدولت وہ تہذیبی صورت وجود میں آئی جس میں فکر وعقدہ کی وحدت بھی تھی، اور ثقافتی تنوع اور بوقلمونی بھی۔

سندھ اور ملتان میں عرب حکومتوں کے اضمحلال اور سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی بدولت برِصغیر میں اسلامی تہذیب و تمدن کا ایک یکسر نیا دور شروع ہوا۔محمود غزنوی ۹۹۷ء میں اپنے والد امیر ناصرالدین سبکتگین کی وفات کے بعد تختِ غزنی پر متمکن ہوا۔اس نے ۱۰۰۵ء میں ملتان کے اسماعیلی حاکم ابوالفتح داؤد کی ریشہ دوانیوں کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے ملتان پر حملہ کر کے اسے فتح کیا۔اس کے ایک سال بعد سلطان نے پشاور کے قریب انند پال کو شکست دی، بعد ازاں اس نے کئی حملے کر کے متھرا، قنوج اور سومنات سے بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا، اپنی حکومت کے آخری ایام میں اس نے لاہور کی حکومت اپنے غلام ایاز (ایاس) کے سپرد کی، محمود نے ۱۰۳۰ء میں وفات پائی، برِصغیر کی سیاسی تاریخ پر محمود غزنوی کی فتوحات کے وسیع تر سیاسی اثرات

کے علاوہ تمدنی سطح پر جو نتائج مرتب ہوئے ان میں سے چند قابلِ ذکر یہ ہیں:۔

الف۔ سندھ اور ملتان میں عرب امارات ختم ہوگئیں اور برِصغیر میں پروان چڑھنے والے اسلامی تمدن میں ایک نئے عنصر کا اضافہ ہؤا جسے کئی سو سال تک فعال عوامل میں سرِ فہرست رہ کر تاریخی کردار ادا کرنا تھا۔

ب۔ اسماعیلیوں اور قرامطیوں کے اثر کو بہت حد تک ختم کر دیا گیا۔

ج۔ اب تک اسلامی تہذیب و ثقافت کی زبان عربی تھی، اب فارسی نے اس کی جگہ لے لی، فارسی شمالی ہند کی مسلمان حکومتوں کی سرکاری زبان رہی، اور یہ سلسلہ ۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے کے قانون کے نفاذ تک قائم رہا، اس کے بعد بھی عملاً فارسی بہت حد تک دفتری زبان رہی، مسلمان ریاستوں دیر تک یہی صورتِ حال رہی۔

د۔ اب تک شمالی ہند میں ملتان کو بہت حد تک مرکزی حیثیت حاصل تھی، اب یہ اہمیت لاہور کو حاصل ہوئی، اگرچہ عہدِ سلاطین میں روحانی معاملات میں ملتان کے شیوخ کا سکہ چلتا تھا اور اس عہد کے بیشتر سلاطین روحانی معاملات میں ملتان ہی کیطرف جھکاؤ رکھتے تھے (ملاحظہ کیجئے سیر الاولیاء و سیر العارفین نیز ''بزمِ مملوکیہ اور بزمِ صوفیہ از مولانا صباح الدین عبدالرحمن)

غزنوی عہد میں علم و ادب:

محمود غزنوی علماء اور شعراء کا قدردان تھا (فردوسی کے حوالے سے علامہ محمود شیرانی نے بہت حد تک محمود پر لگائے گئے الزامات کو خلافِ واقعہ ثابت کر دیا ہے)[9] شعراء میں اس نے عنصری، فرخی، عسجدی اور فردوسی کی سرپرستی کی۔ علماء میں اس نے سب سے زیادہ اابو ریحان البیرونی کی قدردانی کی، البیرونی نے کم وبیش چھ سال تک برصغیر میں قیام کیا۔ محققین کا خیال ہے کہ اس نے اپنے قیام کا زیادہ عرصہ ملتان میں گذارا، ملتان کے پنڈتوں سے اس نے ہندی علوم وفنون کے سلسلے میں وسیع معلومات حاصل کیں[10] اس عہد میں ماوراء النہر کے علماء بلخ و بخارا سے کھچ کر لاہور میں جمع ہو گئے، اور غزنوی عہد کا لاہور اسلامی تہذیب و تمدن کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ اس عہد میں فارسی شعروادب کی جو روایت قائم ہوئی اس نے غیر معمولی طور پر فروغ حاصل کیا، مسعود سعد سلمان اس دور کا سب سے بڑا فارسی کا شاعر تھا جس کے ''ہندوی دیوان'' کا ذکر بھی تذکروں میں ملتا ہے اگرچہ یہ دیوان کہیں دستیاب نہیں، ممکن ہے یہ دیوان جس زبان میں تو وہی اردو کا نقش اولیں بھی ہو[11] اتنی بات یقینی ہے کہاس عہد میں ''زبان ہندوی'' میں شعر گوئی کا آغاز ہوگیا تھا۔ سلطان ابراہیم غزنوی کے عہد کا ایک معروف شاعر ابوالفرج رونی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مضافاتِ لاہور کا رہنے والا تھا[12] انوری جیسے شاعر نے بھی ابوالفرج رونی کی استادی کو تسلیم کیا ہے۔

اس عہد کا سب سے بڑا علمی اور تحقیقی کارنامہ ابوریحان البیرونی کی تصنیف **''مالِلھند''** ہے جسے ہندوستانی علوم وفنون کا پہلا باقاعدہ تذکرہ کہنا چاہئے، یہ کتاب آج بھی ہندوستان کی قدیم تاریخ کے بارے میں اہمیت کی حامل ہے۔ البیرونی نے ہندوؤں کی تہذیب اور ان کے علوم وفنون کے بارے میں خالص علمی اور معروضی نقطۂ نظر سے کام لیا ہے۔

اس نے ملتان کے سورج دیوتا کے مندر کے بارے میں بھی تفصیل سے معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ بالخصوص ملتان کی قدیم تاریخ کے حوالے سے یہ معلومات بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

عہدِ غزنوی کے علماء و مشائخ اور صوفیا:

عہدِ غزنوی میں برصغیر کے مختلف شہر علماو مشائخ کا مسکن بنے، اور مسلم تہذیب و ثقافت کے خارجی پیکر میں صوفیانہ اخلاقیات

اور روحانیت کے عنصر کا اضافہ ہوا، اور اشاعتِ اسلام کی ایسی صورت پیدا ہوئی جس کی بنیاد انسانی رابطے پر تھی۔ برصغیر کے صوفیا میں سب سے پہلا نام شیخ صفی الدین گارزونی کا ملتا ہے، جو مشہور صوفی بزرگ خواجہ ابواسحاق گارزونی کے مُرید اور خواہرزادے تھے۔ وہ ۹۶۲ء میں پیدا ہوئے، سترہ برس کی عمر میں اُچ تشریف لائے اور ۱۰۰۷ء میں فوت ہوئے۔ اُن کا مقبرہ برصغیر کی سب سے قدیم اسلامی زیارت گاہ ہے۔ شیخ گارزونی کے بعد دوسرا بڑا نام حضرت شاہ یوسف گردیزی ملتانی کا ہے، جن کا خاندان بغداد سے گردیز منتقل ہوگیا تھا۔ آپ ۴۶۲ھ (۱۰۶۹ء) میں گردیز میں متولد ہوئے۔ بہرام شاہ غزنوی کے عہد میں ملتان تشریف لائے۔ ملتان کی تعمیرِ نو کے لئے اُن کی خدمات کو بہت اہم سمجھا جاتا ہے، بعض روایات کی رُو سے موجودہ شہر ملتان حضرت شاہ یوسف گردیزیؒ ہی نے تعمیر کرایا تھا۔ آپ نے ۵۴۷ھ (۱۰۶۹ء) میں وفات پائی، ملتان میں اُن کا مقبرہ اسلامی فنِ تعمیر کا ایک بہت عمدہ نمونہ ہے جو کاشی کاری کے کام سے مزین ہے۔

لاہور میں قیام پذیر ہونے والے صوفیا میں شیخ اسماعیل لاہوری کو اولیت کی فضیلت حاصل ہے، وہ غالباً ۱۰۰۵ء میں لاہور میں آئے۔ اس زمانے میں لاہور میں اور مشائخ اور علما بھی موجود تھے۔ سمعانی نے کتاب الانساب میں لاہور کو ایک بابرکت اور کثیر الخیر شہر قرار دیا ہے۔ لیکن ان سب مشائخ میں، جنہوں نے لاہور کو وطن بنایا، سب سے اہم نام حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کا ہے۔ جو سلطان مسعود ابن محمود غزنوی کے عہد کے اواخر میں دو ساتھیوں کے ساتھ لاہور تشریف لے آئے۔ آپ نے لاہور اور اس کے مضافات میں اشاعتِ اسلام میں اہم کردار ادا کیا۔ مجموعی طور پر یہ اسلامی تصوف کا دوسرا دور ہے جس میں منصور حلاج، ذوالنون مصری اور خواجہ بایزید بسطامی نے تصوف میں کچھ ایسے افکار کا اضافہ کر دیا تھا، جنہیں قطعی طور پر اسلامی نہیں کہا جاسکتا تھا، حضرت داتا گنج بخشؒ تصوف میں اس اصولی روش پر قائم تھے جس میں زہد و اتقا اور اتباعِ شریعت کو اولیں اہمیت حاصل تھی۔

کشف المحجوب: کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخشؒ کی تصوف کے موضوع پر معرکہ آرا تصنیف ہے، جسے تصوف کی تعلیمات میں وہی اہمیت حاصل ہے جو اس کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی کتاب عوارف المعارف اور ابنِ عربیؒ کی فصوص الحکم کو حاصل ہوئی۔ کشف المحجوب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فارسی زبان میں تصوف کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس میں شیخ محمد اکرام کے الفاظ میں: ''متاخرین صُوفیہ کا غُلو یا نیم پُخت عقائد اور خیالات کا طُومار نہیں۔ بیشتر دنیا اور دنیاداری سے دور رہ کر مُرشد کی پیروی کر کے اللہ اللہ کرنے اور دل کو کبر و حرص سے پاک رکھنے کی باتیں ہیں۔''[۱۳] دارالشکوہ نے اس کتاب کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے: ''کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را بر آں سخن نیست و مرشدے است کامل۔ در کتب تصوف بہ خوبی آں در زبانِ فارس تصنیف نہ شدہ۔''[۱۴] (پروفیسر نکلسن نے اس کتاب انگریزی میں ترجمہ کیا، یوں یہ کتاب مستشرقین کے نزدیک بھی تصوفِ اسلامی کے حوالے سے بے حد اہم ہے)۔ کشف المحجوب کی بدولت برصغیر میں تصوف کی روایت کو علمی طور پر استحکام پیدا ہوا۔ اس عہد کے علما میں امام حسن صنعانی لاہوری کا نام اہم ہے، جو علمِ حدیث کی مشہور ''مشارق الانوار'' کے مصنف تھے، ''مشارق الانوار'' کئی صدیوں تک برِ صغیر میں علمِ حدیث کی واحد مقبول اور متداول کتاب رہی ہے۔ اس کتاب کو پوری اسلامی دنیا میں شہرت حاصل ہوئی، بقول مصنف بزمِ مملوکیہ: ''علماءِ محدثین نے اس کتاب کی بڑی قدر کی، مدارس کے نصاب میں داخل ہوئی اور عالمِ اسلام کے ممتاز علماء نے اس کے ڈھائی ہزار سے زیادہ شروح و حواشی لکھے۔''[۱۵] اسی مصنف نے فوائد الفواد کے حوالے سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ''این کتاب حجت است میان من (و) خدا، واگر بر او مشکل شدے، رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام را در خواب دیدے و صحیح کردے۔''[۱۶]

محمود غزنوی کے بعد جس فاتح نے برِ صغیر کی تاریخ پر دوررس اثرات مرتب کئے وہ سلطان معز الدین محمد غوری (شہاب

الدین غوری) ہے جس نے ۱۱۸۶ء میں خسرو ملک کو شکست دے کر لاہور پر قبضہ کر کے برصغیر میں غزنوی حکومت کا خاتمہ کیا، اس نے شروع ہی سے یہاں ایک مستقل اسلامی حکومت قائم کرنے کے منصوبوں پر عمل کیا۔غزنی کے بعد اس نے ملتان، اُچ اور لاہور پر قبضہ کیا، تھانیسر سے چودہ چودہ میل دور ترائن کے مقام پر اس کا مقابلہ اجمیر اور دہلی کے راجے پرتھوی راج سے ہوُا۔اس معرکے میں سلطان کو شکست ہوئی اور وہ زخمی بھی ہوُا، لیکن ایک سال بعد وہ پھر بھرپور طریقے سے حملہ آور ہوکر فتح یاب ہوُا۔غوری کی یہ فتح شمالی ہند پر مسلمانوں کے مکمل تسلط کے مترادف تھی۔۱۲۰۶ء میں وہ کھوکھروں کی بغاوت فرو کرتے ہوئے انہیں کے ہاتھوں شہید ہوُا، سلطان معزالدین غوری کے غلاموں میں قطب الدین ایبک، محمد بن بختیار خلجی، التتمش اور ناصرالدین قباچہ نے شہرت پائی، اور وہی اس کی وفات کے بعد اس کے جانشین ہوئے۔ترک امراء نے قطب الدین ایبک کو ہندوستان کا بادشاہ منتخب کیا، جو فی الحقیقت ہندوستان کا پہلا خودمختار بادشاہ تھا۔

عہدِ سلاطین:

قطب الدین ایبک ۱۲۰۶ء میں تخت نشین ہوُا، ۱۲۱۰ء میں لاہور میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر جاں بحق ہوُا، اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا آرام شاہ تخت کا دعویدار تھا، لیکن امراء نے التتمش کو چنا، البتہ شروع میں مختلف حصوں پر ناصرالدین قباچہ اور تاج الدین یلدوز کی حکومتیں بھی قائم ہوئیں۔ناصرالدین قباچہ نے کم وبیش بیس بائیس سال تک سندھ اور ملتان پر حکومت کی، اُچ اور ملتان اس کے مستقر تھے۔

قباچہ کا علمی دربار:

علمی اعتبار سے ناصرالدین قباچہ کا عہد سندھ اور ملتان کے لئے ایک شاندار عہد تھا، جسے بالخصوص ملتان کی علمی تاریخ کا ''دورِ زرّیں'' قرار دیا جاسکتا ہے، اس کے عہد میں ایران اور ترکستان کے بے شمار علماء اور شعرا اور مؤرخ ملتان اور اُچ میں جمع ہوگئے تھے، فارسی شعرا کا سب سے پہلا تذکرہ قباچہ کے دربار میں محمد عوفی نے ''لباب الالباب'' کے نام سے لکھا اور اسے ناصرالدین قباچہ نے نام سے معنون کیا، تاریخ کی ایک اور اہم کتاب دربارِ قباچہ کے مؤرخ مولانا منہاج سراج نے ''طبقاتِ ناصری'' کے نام سے لکھی، سندھ کی پہلی تاریخ ''چچ نامہ'' بھی ناصرالدین قباچہ ہی کے نام سے منسوب ہوئی، گویا 'لباب الالباب'، 'طبقاتِ ناصری' اور 'چچ نامہ' اس عہد کی گراں قدر تصانیف ہیں جو ملتان اور قباچہ کے ساتھ نسبتِ خاص رکھتی ہیں، قباچہ کے عہد میں ملتان سمرقند و بخارا پر چشمک زنی کرتا تھا۔ ۱۲۲۷ء میں التتمش نے قباچہ کو شکست دے کر اس کی خودمختار حکومت کا خاتمہ کردیا، البتہ قباچہ کی نسبت سے جو علمی کام وجود میں آئے وہ برصغیر کی علمی تاریخ میں ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔ناصرالدین قباچہ نے شعرا اور علماء کی بھرپور سرپرستی کی، شمس الدین محمد بلخی، مولانا فضلی ملتانی اور ضیاء الدین سجزی اسی کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، وزیر عین الملک کا سرپرست بھی قباچہ ہی تھا۔اس نے کئی تعلیم درسگاہیں قائم کیں۔مولانا منہاج الدین جوزجانی کے اچ آنے پر مدرسہ معزی کا انتظام و انصرام انہیں کے سپرد کیا، مولانا قطب الدین کاشانی ماوراء النہر سے ہجرت کر کے ملتان آئے تو ان کے لئے خاص طور پر مدرسہ قائم کیا جس کے آثار تاریخ کے اوراق میں ضرور موجود ہیں۔[۱۷]

شمس الدین التتمش کا عہد بھی علمی اور ادبی اعتبار سے بہت زرخیز ثابت ہوُا، اسی عہد میں ''آداب السلاطین'' اور ''مآثرالسلاطین'' جیسی کتابیں باہر سے منگوائی گئیں اور بہت سی کتابیں خود برِصغیر میں تصنیف ہوئیں، تاریخ مبارک شاہی کے مصنف نے التتمش کے نام سے معنون ''آداب الحرب'' جیسی معرکہ آرا کتاب تصنیف کی۔اس عہد کے ایک عالم مؤید جرجانی نے امام

غزالیؒ کی کتاب ''احیاء العلوم'' کا فارسی میں ترجمہ کیا، التتمش کے بیٹے رکن الدین فیروز نے امام رازی کی تالیف ''سرِ مکتوم'' کا فارسی میں ترجمہ کرایا، شعراء میں تاج الدین سنگریزہ اور شہاب الدین مہمرہ جیسے شعرا نے شہرت پائی، صوفیائے کرام نے بھی اپنی تصانیف و تالیفات سے برِصغیر کے علم و دولت کے خزانوں کی ثروت مندی میں گراں بہا اضافے کئے۔

صوفیائے کبار کی آمد:

محمود غزنوی کے عہد سے لے کر شمس الدین التتمش کے عہد تک برِصغیر میں بعض ایسے صوفیائے کرام تشریف لائے جنہوں نے نہ صرف تصوف کی تاریخ میں لازوال شہرت حاصل کی بلکہ برِصغیر کے اسلامی تمدن کی روحانی اور اخلاقی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم بنانے میں بھی تاریخی کردار ادا کیا۔عہدِ سلاطین کے صوفیاء میں حضرت داتا گنج بخشؒ (مصنف کشف المحجوب) کے بعد سب سے بڑا نام سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کا ہے جنہوں نے سلسلۂ چشتیہ کی بنیادوں کو ایسا مستحکم کیا کہ اس کے فیوض آج تک جاری وساری ہیں[۱۸] ان کا فیض ان کے مریدِ خاص حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے توسط سے حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ تک اور ان کے توسط سے حضرت نظام الدین اولیاء دہلویؒ تک پہنچا جو اپنی اپنی جگہ پر شریعت وطریقت کے سرچشمہ ہائے عظیم ثابت ہوئے۔اور اثنا میں ایک اور بزرگ نے دنیائے تصوف میں غیر معمولی شہرت پائی، جو حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے نام نامی سے معروف ومشہور ہیں، وہ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید تھے انہوں نے پانچ سال تک مدینۂ منورہ میں کمال الدین یمنی سے علمِ حدیث حاصل کیا تھا۔اپنے مرشد حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے حکم سے ملتان تشریف لائے اور یہاں ایک خانقاہ قائم کی جو بیک وقت خانقاہ بھی تھی اور مدرسۂ تعلیم وتربیت بھی، اس لئے بھی کہ ان کی ذات شریعت وطریقت کی جامع تھی۔ان کے عہد میں ان کی برکت سے ملتان صوفیائے کبار کا مرکز بن گیا تھا، حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا قیامِ ملتان اور حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے ساتھ ان کی صحبتیں تاریخِ تصوف کا حصہ ہیں۔اگر ناصرالدین قباچہ کی وجہ سے کئی علماء اور شعرا ملتان اور اُچ میں قیام پذیر ہوئے تو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کا وجود بھی بہت سی ایسی ہستیوں کی ملتان میں آمد کا باعث ہؤا جنہیں کئی اعتبار سے شہرت اور اہمیت حاصل ہوئی۔

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے مریدوں میں فارسی کے معروفِ عالم شاعر فخرالدین عراقی، میر سادات حسینی، جلال الدین سرخ بخاری اور لال شہباز قلندر نے بہت شہرت حاصل کی، فخرالدین عراقی شیخ کی صحبت میں بیس برس رہنے کے بعد وطن کو لوٹے تو دمشق میں انہیں شیخِ اکبر محی الدین ابن عربی کے شاگردِ رشید صدرالدین قونوی کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہؤا، جن کے توسط سے وہ ابن عربی کے وحدت الوجودی خیالات سے متاثر ہوئے، اور'' لمعات'' تصنیف کی، جس کا نسخہ انہوں نے شیخ کے جانشین صدرالدین عارف کی خدمت میں ملتان بھی بھیجا، یوں یہ خیالات پہلی بار برِصغیر کے صوفیا کے حلقوں میں متعارف ہوئے۔میر سادات حسینی کی تصنیف ''نزہتہ الارواح'' کو متصوفانہ ادب میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی، وہ سوالات جن کے جواب میں علامہ محمود شبستری نے ''گلشنِ راز'' تصنیف کی، میر سادات حسینی کے مرتب اور ارسال کردہ تھے، یہ اور بات ہے کہ یہ سوالات انہوں نے اس وقت بھیجے جب وہ ملتان سے خراسان واپس جا چکے تھے، یہی وہ سوالات تھے جنہیں سامنے رکھ کر علامہ اقبال نے ''گلشنِ راز جدید'' لکھی۔غرض اس عہد کے صوفیا نے علم و ادب دونوں کی ثروت مندی میں اضافہ کیا اور اسلامی معاشرت کے ظاہری اور باطنی نقوش کو متعین اور اجاگر کیا۔پنجاب اور سندھ میں اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں حضرت فریدالدین شکر گنجؒ اور بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی خدمات تاریخ کا حصہ ہیں۔شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے بعد ان کے صاحبزادے صدرالدین عارفؒ اور پوتے حضرت ابوالفتح رکن الدینؒ نے ان کے کام کو جاری رکھا، سلاطین دہلی کی طرف سے ان تینوں حضرات کو یکے بعد دیگرے شیخ الاسلام مقرر کیا گیا اور اس منصبِ جلیلہ سے وہ بطریقِ احسن عہدہ برآ ہوتے رہے۔اس میں

کوئی مبالغہ نہیں کہ وہ اپنے اپنے وقت میں سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات پر فیصلہ کن اثرات مرتب کرتے رہے۔[۱۹]

سلاطینِ دہلی :

اس عرصے میں دہلی مسلمانوں کی حکومتوں کا مستقل مرکز رہا،التتمش کے بعد اس کے جانشین حکمران رہے ، جن میں رضیہ سلطانی نے خاص طور پر شہرت حاصل کی ۔۱۲۴۶ء میں امراء نے ناصرالدین کوتخت پر بٹھایا، جو درویش طبع انسان تھا اورقرآنِ کریم کی کتابت سے روزی کماتا تھا۔اس نے امورِ سلطنت اپنے وزیر او رسسر غیاث الدین بلبن کو سونپ رکھے تھے۔۱۳۲۶ء میں ناصرالدین کی وفات پر غیاث الدین بلبن بغیر کسی مزاحمت کے تختِ دہلی پر متمکن ہوا۔سلاطینِ ہند میں بلبن ایک جلیل القدر بادشاہ تھا، جس نے مرکز میں مضبوط حکومت قائم کرنے کے ساتھ ساتھ شمال مغربی سرحدوں پر منگولوں کے حملوں کا کامیاب سد باب کیا۔ بلبن کے عہد میں ملتان ایک بارپھرعلمی اور ادبی اعتبار سے اہم مرکز بن گیا۔بلبن نے اپنے محبوب بیٹے شہزادہ محمد قاآن خان معروف بہ شہزادہ محمد کو ملتاان کا حاکم مقرر کیا ، اس تقرر کا مقصد منگولو ں کےحملوں کے خلاف ملتان کے ایسے سرحدی قلعے کا مؤثر دفاع تھا ،حضرت امیرخسروؒاور ان کے عزیز دوست حسن سجز ی شہزادہ محمد کے ساتھ ملتان آئے اور پانچ برس تک اس کے دربار کی زینت رہے ۔شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے جانشین اور صاحبزادے صدرالدین عارف بھی اس کے دربارسے وابستہ تھے ۔دربار کیا تھا ایک علمی ،اخلاقی اور روحانی مجلس تھی،جس میں مشائخ کےحضورشہزادہ اکثر اوقات دست بستہ کھڑا رہتا تھا،افسوس کہ شہزادہ محمد جس کے ساتھ اسلامی ہندوستان کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں،منگولوں کے ایک حملے کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوا۔حضرت امیرخسرو بھی منگولوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے ، اسی اسارت کے دوران انہوں نے کہا تھا:

من کہ بر سرنمی نہادم گل

بار بر سر نہاد وگفتا ' جُل'

شہزادے کی شہادت پرحضرت امیرخسرو نے ایک نہایت دردانگیز مرثیہ لکھا جو غالباً منگولوں کے دستِ تظلم سے رہائی کے بعد ملتان ہی میں لکھا گی کیونکہ اس میں اہل ملتان کےغم و اندوہ کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے ۔اس مرثیے کو سننے کے بعد چند ہی دن میں غیاث الدین بلبن راہیٔ ملکِ بقا ہوا۔بلبن کے بعد اس کا بیٹا کیقباد تخت نشین ہوا ،عیش وعشرت کی حیرت انگیز مثالیں قائم کیں ۔بالآخر اسے امرائے دربار کے اشارے پر چند ترکوں نےقتل کر دیا، اور امرائے سلطنت میں سے جلال الدین خلجی تخت نشین ہوا، اور یوں خاندانِ غلاماں کا خاتمہ ہوا۔جلال الدین خلجی بڑھاپے میں تخت نشین ہوا تھا اس لئے اس کی طبیعت میں لینت اورنرمی بہت زیادہ تھی ، وہ چوروں ،لٹیروں اور باغیوں سے درگزر کا معاملہ روا رکھتا تھا،بلبن کا بھتیجا ملک چھجو بغاوت کے گرفتار ہوکر اس کے سامنے پیش ہوا تو جلال الدین خلجی نے نہ صرف اسے معاف کردیا بلکہ اسے ملتان میں جاگیر بھی عطا کردی۔اس کی نرمی سے سلطنت میں خلل واقع ہونے لگا، اسی زمانے میں اس کےحکم سے سیدی مولہ نامی ایک درویش کوقتل کر دیا گیا ، جس کے نتیجے میں پوری سلطنت میں اختلال واقع ہونے لگاا۔بالآخر اس کے بھتیجے علاء الدین خلجی نے اسے مکر اور حیلے سےقتل کروا دیا اورتختِ دہلی پر متمکن ہوا،اسے فتوحات کے اعتبار سے سکندرِ ثانی کہا جاتا ہے ۔اس کے عہد میں دہلی کی حکومت بہت وسیع بنیادوں پر قائم ہوئی،شمالی ہند پر کامل تسلط حاصل کرلینے کے بعداس نے اپنے لائق وزیرعین الملک ملتانی کے ہاتھوں دکن کو فتح کیا ،جنوبی ہند پر یہ پہلا کامیاب تسلط تھا، جس نے تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے بہت اہم نتائج پیدا کئے ۔علاء الدین خلجی نے ایک وسیع وعریض سلطنت میں امن و امان کی مثالی فضا قائم کی ، ارزانی کو انتہا تک پہنچایا،محصولات جنس کی صورت کی وصول کرکے سرکاری گوداموں کو غلے اور

اجناس سے بھر دیا۔دورِ سلاطین میں اس کا عہد عوام الناس کی خوش حالی کا ایک یادگار عہد تھا، اس نے ایک اہم پالیسی یہ اختیار کی کہ اس نے اپنے نظم حکومت کو مذہبی احکامات سے الگ کر دیا۔وہ علمائے دین سے مشورہ ضرور لیتا تھا اور صحیح رہنمائی کی قدر بھی کرتا تھا،لیکن کرتا وہی تھا جو اس کے نزدیک مصالحِ ملکی کے اعتبار سے مفید ہوتا تھا،بالآخر وہ اپنے غلام ملک کافو ر کے ہاتھوں قتل ہوا(۱۳۱۶ء)۔اس کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا مبارک خاں ،سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔اس نے بھی عیش وعشرت کے سامان فراوانی سے فراہم کئے ، اور دربارِ شاہی کو مسخروں سے بھر دیا ، اس کا سب کچھ ایک پست فطرت نومسلم غلام خسرو خان کے ہاتھوں گروی تھا،اور آخرِ کار وہ اسی کے ہاتھوں قتل ہوا، اس کی اس کے دربار کی اخلاقی پستی کا بیان مصنف ''تاریخِ فیروز شاہی'' نے حیران کن تفصیلات کے ساتھ بیان کیا ہے [۲۰] خسرو خاں ، ناصرالدین خسرو کے لقب سے تخت نشین ہوا ،اس نے دربار اور محل کو اپنے ہم قوم لوگوں سے بھر دیا ، کہا جاتا ہے کہ وہ صرف ظاہری طور پر مسلمان ہوا تھا ،اب اسکے دربار میں علانیہ بت پرستی ہوتی تھی اور مقدسات کی بے حرمتی کی جاتی تھی۔

خلجی خاندان کے وفادار غلاموں میں غازی ملک فخرالدین جونا خاں جو متدین مسلمان تھا ، ان حالات کو دور دور سے دیکھتا تھا اور کڑھتا تھا، آخر اس نے دہلی پر حملہ کر کے خسرو خاں کو شکست دی اور خلجی خاندان کا کوئی وارث موجود نہ ہونے پر ، نیز علمائے وقت کے اصرار پر سلطان غیاث الدین تغلق کے لقب سے تخت نشین ہوا۔اس نے ملک کے انتظام و انصرام میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کی ، افسوس کہ اس کے اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا دہلویؒ کے درمیان تعلقات استوار نہ ہو سکے، بلکہ تعلقات میں کشیدگی میں اضافہ ہوتا چلا گیا، اس نے حضرت سلطان المشائخ کے مقابلے میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے حضرت ابوالفتح رکن الدین ملتانیؒ کو زیادہ اہمیت دینے کی کوشش کی لیکن انہوں نے ہر معاملے میں حضرت سلطان المشائخؒ کا اتنا احترام کیا کہ بادشاہ کے عزائم کسی طرح پورے نہ ہو سکے ،اس نے ایک بار کہا کہ میری بنگال سے دہلی واپسی تک انہیں (حضرت سلطان المشائخؒ) کو اپنی روش تبدیل کرنا ہوگی،جس پر حضرت سلطان المشائخؒ نے فرمایا۔''ہنوز دلی دوراست'' یہ جملہ اردو کے محاورات میں شامل ہوا۔اس کی موت ایک نوتعمیر مکان کے گرنے سے ہوئی ۔کہا جاتا ہے کہ اس کے بیٹے الغ خاں نے ، جو بعد میں سلطان محمد بن تغلق کے نام سے مشہور ہوا، اپنے باپ کے قتل کی سازش کی تھی ۔

سلطان محمد بن تغلق جو باپ کی وفات کے تخت نشین ہوا، ایک انوکھا بادشاہ ثابت ہوا، وہ ایک ذہین انسان تھا ،لیکن اس کی ذہانت اس کے عہد کے معروضی حقائق کے ساتھ لگا نہیں کھاتی تھی ۔اس نے دہلی کی بجائے دولت آباد کو دارالحکومت بنانا چاہا کیونکہ وہ شمالی اور جنوبی ہند کے درمیان ایک مرکزی جگہ تھی ،لیکن اس کا یہ منصوبہ بری طرح ناکام رہا ، انتقالِ آبادی نے سینکڑوں ہزاروں انسانوں کی جان لے لی ، یا انہیں زندہ درگور کر دیا، عالمِ اسلام کا مشہور سیاح ابنِ بطوطہ اسی کے عہد میں ہندوستان آیا اور کچھ عرصہ اس کے دربار میں حاضر رہا۔

(ابن بطوطہ شمالی ہند میں دہلی تک جانے سے پہلے ملتان میں وارد ہوا تھا او رحضرت ابوالفتح رکن الدین کا مہمان ہوا تھا ، اگرچہ شہر میں داخلے کی اجازت ملنے سے پہلے اسے بہت دن تک بیرونِ شہر ٹھہرا انتظار کرنا پڑا تھا)۔اس نے محمد تغلق کے مظالم کے ایسے ایسے مرقعے کھینچے ہیں کہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایجادِ مظالم میں بھی وہ ندرت پسند تھا ، ۔ زندہ انسانوں کی کھال کھنچوانا اور اس میں بھُس بھروا کر شہر شہر پھروانا اس کا خاص مشغلہ تھا۔اسے مجموعہ تضادات کہنا بھی غلط نہیں ہوگا ، وہ بیک وقت عادل بھی تھا اور جائر بھی ، اس نے مشائخِ کبار کو بہت رنجیدہ کیا ،اور انہیں جبراً ملک کے کونے میں پراگندہ کر دیا،بعض علماء کو شدید اذیت اور اہانت کے ساتھ مروادیا(مثلاً شیخ شہاب الدین حق گو)وہ ایک باغی کا پیچھا کرتے ہوئے ٹھٹھہ میں فوت ہوا۔محمد تغلق کے بعد علماء و مشائخ

کی حمایت سے فیروز تغلق تخت نشین ہؤا،جس نے ۱۳۸۸ء تک حکومت کی ،اس کے بعد وسیع پیمانے پر انتشار اور بدامنی کو دور دورہ ہؤا، ۔۱۳۹۸ء میں تیمور دہلی پر حملہ آور ہؤا اور فاتحانہ مظالم کی کچھ نئی داستانیں رقم کرتا ہؤا واپس چلا گیا ،۔تیمور کی آمد سے ایک نئی قوت نے برِصغیر کا راستہ دیکھ لیا، ۔ وہ قوت تھی ''تیموری مغل''۔اگرچہ مغلوں نے تیمور کے حملے کے کافی دیر بعد ہندوستان کا رخ کیا،لیکن جب آئے تو برِصغیر میں مسلمانوں کی حکومت اور تہذیب وتمدن کا ایک یکسر نیا دور شروع ہؤا،جس کا نقطۂ آغاز بابر ۔اور نقطۂ اختتام ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ ، بادشاہِ دہلی تھا۔

متصوفانہ ادب:

دورِ سلاطین میں علم و ادب کی دوسری شاخوں کے علاوہ متصوفانہ ادب میں بھی گرانقدر اضافہ ہؤا۔اس دور میں کئی اہلِ قلم صوفیاء پیدا ہوئے جنہوں نے تذکروں کے علاوہ متصوفانہ ادب میں ''ملفوظات'' کی صورت میں ایک نئی صنف کا اضافہ کیا جو صوفیائے کبار کے اقوال اور ان کی صحبتوں کے احوال پر مشتمل تھی ، اس سلسلے میں تذکروں کے ضمن میں ''سیر الاولیاء''، اور ملفوظات کے ذیل میں ''فوائد الفواد'' اور ''افضل الفوائد'' کو خاص طور پر شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، جن کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے :

۱۔ فوائد الفواد:حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی علیہ الرحمہ کے ملفوظات پر مشتمل ہے ،لیکن ضمناً ان کے معاصر صوفیا کے بارے میں بھی بہت سا قیمتی مواد ملا جاتا ہے مرتبہ حسن سجزی دہلوی [۲۱]

۲۔ سیرالاولیا: اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کا مفصل تذکرہ جو کئی ابواب پر مشتمل ہے ،جن میں آغازِ تصوف سے لے کر صوفیائے سلسلۂ چشت تک کے حالات بیان کئے گئے ہیں ، زیادہ تر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت نظام الدین اولیا دہلویؒ کے حالات و ملفوظات ''نکات'' کے عنوانات کے تحت بیان ہوئے ہیں ، یہ کتاب سید محمد مبارک معروف بہ امیرِ خورد کی تالیفِ لطیف ہے جس کو ہر عہد میں مقبولیت حاصل رہی ہے ، اور آج تک اس کی اہمیت میں کمی واقع نہیں ہوئی [۲۲]

۳۔ افضل الفوائد: یہ کتاب بھی زیادہ تر حضرت نظام الدین اولیا دہلویؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے، اور انہیں کے مریدِ خاص حضرت امیر خسروؒ سے منسوب کی جاتی ہے ۔

شعراء:

عہدِ سلاطین میں یوں تو کئی نامور شعرا پیدا ہوئے ،لیکن سب سے زیادہ شہرت حضرت امیر خسروؒ کے حصے میں آئی ،وہ فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے ، برِصغیر سے تعلق رکھنے والے وہ پہلے شاعر ہیں جن کو اہلِ ایران نے بھی تسلیم کیا۔غزل اور مثنوی کی اصناف میں انہوں نے کمال حصل کیا وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔کہا جاتا ہے کہ ان کا کلام خواجہ حافظ شیرازی تک بھی پہنچا تھا ، اور اس شعر میں انہیں کی طرف اشارہ ہے

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند
زین قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ میرود

عین ممکن ہے کہ خواجہ حافظؒ کا یہ شعر اس زمانے سے تعلق رکھتا ہو جب امیر خسروؒ بنگالے میں قیام پذیر تھے ، ۔ امیر خسروؒ کا سب سے بڑا کارنامہ ہند اسلامی تہذیب ومعاشرت کے خط و خال کی شاعری کی زبان میں ترجمانی ہے وہ خود بھی ہندایرانی تہذیب کے سب سے بڑے نمائندہ تھے ، انہوں نے فارسی کے ساتھ ساتھ اس زبان میں بھی شاعری کی جسے اس وقت ''ہندی'' کہا جاتا تھا اور

جسے آج کے محققین اردو زبان کا نقشِ اول قرار دیتے ہیں ۔انہوں نے اسی ہندی زبان میں بعض نئی اصنافِ شاعری ایجاد کیں ،جن میں پہیلیاں ، دوسخنے ، کہ مکرنیاں وغیرہ مشہور ہیں ، شادی بیاہ کے بعض مشہور گیت بھی انہیں سے منسوب کئے جاتے ہیں ،عصرِ حاضر کی دانش نے امیر خسروؒ کو ایک ثقافتی انسان قرار دیا ہے ، انہوں نے اپنی فارسی شاعری میں بھی کہیں کہیں مقامی رنگ کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ،مثلاً انہوں نے ہندی تشبیہات کو خوبصورتی کے ساتھ فارسی شاعری میں استعمال کیا، ۔انہوں نے برصغیر کی فارسی شاعری کو بھی ایک نیا آب و رنگ عطا کیا ،لیکن اہم ترین بات غالباً یہی ہے کہ انہوں نے ہندی اور ایرانی کی آمیزش کو ممکن بنا کر دکھایا ، اور اس زبان کے فروغ ارتقاء کے لئے راستے ہموار کئے جو آج ایشیائی زبانوں میں ایک ممتاز مقام کی حامل ہے ، یعنی اردو جو آج کی عالمی زبانوں میں بھی نمایاں حیثیت حاصل کر چکی ہے ۔

اجمالاً: ۔عہدِ سلاطین نے برصغیر کے ہند اسلامی تمدن کو بنیادی آب ورنگ فراہم کیا ، اور اسے ایک خارجی اور داخلی توازن عطا کیا جو انسانی مطالب کا حامل تھا ،اس عہد کے صوفیا جو فی الحقیقت اکابر صوفیا تھے ، اسلام کے اخلاقی اور روحانی جوہر کو نمایاں کرنے میں ہمہ وقت کوشاں رہے ، اور انہیں کے ہاتھوں اسلام برصغیر کے کونے کونے میں پہنچا۔بادشاہوں کے رویوں سے قطعِ نظر۔ صوفیا کے زیر اثر ادب و انشاء ، اسلامی علوم میں فقہ وعلمِ حدیث نے بہت فروغ پایا۔وہ لسانی تغیرات بھی اسی عہد میں رو پذیر ہوئے جو برصغیر کی نوتشکیل زبانوں پر منتج ہوئے ۔اسی عہد میں برصغیر میں ایک خالصتہً اسلامی فن تعمیر وجود میں آیا جن میں شان وشکوہ عناصر نمایاں تھے ، دہلی کی مسجد قوت الاسلام اور ملتان حضرت ابوالفتح رکن الدین کا مقبرہ (جس کی تعمیر غیاث الدین تغلق سے منسوب ہے) اس عہد کے فنِ تعمیر کے تعمیری میلانات نمائندہ شاہکار ہیں، جن کی مجموعی ہیئتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا:

خیز و کارِ ایبک و سوری نگر

اس عہد کے علمی ادبی ثمرات متنوع اور ہمہ جہت ہیں ، شاعری ، انشاء، فقہ ،علمِ حدیث ، تاریخ اور سوانح، نیز ملفوظات نے اس عہد میں بہت فروغ پایا ،اور ہند اسلامی تمدن کی وہ صورت پیدا کی جس پر آگے چل کر مغل عہد کے تمدن نے اپنی شاندار عمارت تعمیر کی ۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سید سلیمان ندوی، علامہ ۔عرب و ہند کے تعلقات ،طبع کراچی ۔۱۹۷۶ء ص ۱ تا ۴۳

۲۔ ابوظفر ندوی،سید۔تاریخ سندھ،مطبع معارف ، اعظم گڈھ،(۱۹۴۷ء)ص ۴۲ بحوالہ چچ نامہ قلمی ص ۳۹، نیز چچ نامہ اردو ترجمہ از اختر رضوی ، مرتبہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ،سندھی ادبی بورڈ، کراچی حیدر آباد سندھ، ۱۹۶۳ء ص ۱۱۹

۳۔ اعجاز الحق قدوسی ۔تاریخ سندھ، ج ۱ مرکزی اردو بورڈ ، لاہور۔۱۹۷۶ء ص ۱۷۹

۴۔ ایضاً ۔ص ۲۱۳

۵۔ ابوظفر ندوی،سید۔تاریخ سندھ ۔محولہ بالا۔ص ۱۲۲ تا ۱۲۳

۶۔ اشتیاق حسین قریشی ۔برِعظیم پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ، اردو ترجمہ از ہلال احمد زبیری ۔کراچی یونیورسٹی، کراچی ۔۱۹۸۳ء ص ۱ تا ۲

۷۔ اطہر مبارک پوری ، قاضی ۔ ہندوستان میں عرب حکومتیں۔ندوۃ المصنفین دہلی ۔مختلف ابواب

۸۔ اس موضوع پر ڈاکٹر تارا چند کی قابلِ قدر تصنیف Influence of Islam on Indian Culture اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے ،اس کا اردو ترجمہ از محمد مسعود احمد ''تمدنِ ہند پر اسلامی اثرات'' کے عنوان سے مجلس ترقی ادب، لاہور سے شائع ہو چکا ہے ۔

۹۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: فردوسی پر چار مقالے مشمولہ مقالاتِ شیرانی ج۴ نیز مقالاتِ شیرانی ج۵ (تنقید شعرالعجم مع ضمائم) از علامہ محمود شیرانی، مرتبہ مظہر محمود شیرانی، مطبوعہ مجلس ترقی ادب، لاہور۔۱۹۷۰ء ص ۱۱۵ تا ۱۸۱

۱۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: البیرونی از حسن برنی، علی گڑھ۔۱۹۲۷ء (بابِ ششم، ضمیمۂ سوم)

۱۱۔ لباب الالباب، منقول در اردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر از ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ ص ۵۱

۱۲۔ محمد اکرام، شیخ۔ مقدمۂ ارمغانِ پاک۔ مطبوعہ لاہور۔۱۹۵۴ء

۱۳۔ محمد اکرام، شیخ۔ آبِ کوثر۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور۔۱۹۷۹ء ص ۷۸

۱۴۔ ایضاً، ص ۷۸ (بحوالہ سفینۃ الاولیاء ص ۱۶۴)

۱۵۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، سید۔ بزمِ مملوکیہ، مطبعِ معارف، اعظم گڈھ۔۱۹۵۴ء ص ۳۴

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۱، بحوالہ فوائد الفواد، ص ۱۰۴

۱۷۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: بزمِ مملوکیہ، محلولہ بالا۔ از ص ۳۵ تا ۶۰

۱۸۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: تاریخِ مشائخِ چشت از خلیق احمد نظامی، مکتبۂ عارفین، کراچی۔ س۔ن۔ (طبعِ عکسی بہ مطابق طبعِ دہلی ۱۹۵۳ء)

۱۹۔ ملاحظہ کیجئے صباح الدین عبدالرحمٰن کی گرانقدر تصنیف: ''ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر'' مطبوعہ معارف پریس، اعظم گڈھ۔۱۹۵۸ء

۲۰۔ ضیاء الدین برنی، تاریخِ فیروز شاہی، اردو ترجمہ از ڈاکٹر سید معین الحق، اردو سائنس بورڈ، لاہور ۱۹۸۳ء ص ۵۷۸ تا ۵۹۱

۲۱۔ فوائد الفواد، حضرت نظام الدین اولیاء دہلویؒ کے ملفوظات کا اہم ترین مجموعہ، مرتبہ امیر حسن علاء سجزی معروف بہ خواجہ حسن دہلویؒ۔ سلسلۂ چشتیہ کے اکابر کے احوال کے بارے میں بنیادی کتاب، جس میں شہروردی سلسلے کے مشائخ کے حالات بھی بیان ہوئے ہیں۔ محمد لطیف ایم اے کا مرتب کردہ نسخہ، مطبوعہ ملک سراج الدین اینڈ سنز، لاہور۔۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔

۲۲۔ فوائد الفواد کے بعد جس کتاب نے تصوف کے حلقوں میں سب سے زیادہ شہرت پائی، سیر الاولیاء (بہ کسرۂ س و فتحِ ی) مؤلفہ سید محمد مبارک علوی کرمانی معروف بہ امیرِ خورد ہے، اس کتاب نے متصوفانہ روایات کو زندہ رکھنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ از اعجاز الحق قدوسی، مرکزی اردو بورڈ، لاہور نے ۱۹۸۰ء میں شائع کیا۔